© rasailojaraid.com

پاکستان میں تعلیم: دوراہے پر

سلیم منصور خالد

اکتوبر ۱۹۹۹ء کو اقتدار سنبھالنے والی فوجی حکومت نے، پاکستان کے تعلیمی نظام، نصاب اور نظامِ امتحان کی جڑوں کو بنیاد سے ہلا دیا ہے اور اب اسے فیصلہ کن انداز سے تبدیل کرنے کے لیے نئی قومی تعلیمی پالیسی لانے کی تیاری کی جاری ہے۔ جس کا اظہار وفاقی وزارت تعلیم کے وائٹ پیپر (قرطاس ابیض) سے ہوتا ہے۔

تعلیمی پالیسی کے اس مسودے میں کہیں کہیں چلتے چلاتے اسلام کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن شعوری طور پر اس سے اجتناب برتا گیا ہے اور پالیسی کی اساس کو بنیادی طور پر لادین بنایا گیا ہے۔

بعض مقامات پر زور دار انداز میں خود احتسابی پر مبنی جملے لکھے گئے ہیں جن میں درد کا احساسِ پایا جاتا ہے۔ مگر اس طرح بڑے فنی انداز سے پورے قومی نظام تعلیم کو ناقص، ناقابل اعتماد اور ایک بے مقصد تماشا ثابت کرنا دکھائی دیتا ہے۔ وزیر تعلیم بلاتکلف اسے بھوٹان سے بھی بدتر قرار دے رہے ہیں (چار سال کی 'تعمیری پالیسیوں' کے باوجود بھی)۔ اس تاثر کے بعد پاکستان کے موجودہ تعلیمی نظام کو ایک بے مصرف ڈھانچا قرار دے کر تلپٹ کر دینا آسان اور جائز بھی ہو جاتا ہے۔ آیندہ صفحات میں ایسی تجاویز کی نشان دہی کی جا رہی ہے، جو پالیسی سازوں کا اصل مقصد ہیں اور جن پر عمل کا زیادہ امکان اور یقین ہے، جب کہ بعض مفید تجاویز درج تو ہوگئی ہیں لیکن تشنہ تکمیل ہی رہیں گی۔

قرطاس ابیض کے اختتام پر پاکستان کی گذشتہ ۹ تعلیمی پالیسیوں (۱۹۴۷، ۱۹۵۱، ۱۹۵۹، ۱۹۶۶، ۱۹۷۰، ۱۹۷۲، ۱۹۷۹، ۱۹۹۲، ۱۹۹۸) کا ایک تقابلی چارٹ (ص ۶۷-۷۴-۷۷-۸۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش کیا گیا ہے۔ واضح ہوتا ہے کہ مقاصدِ تعلیم کے حوالے سے ان تمام گذشتہ پالیسیوں میں اسلام ایک غالب مثالی نمونے کے طور پر موجود رہا ہے، جب کہ پالیسی دستاویز میں پاکستان کے اساسی نظریے، اسلام کو نظرانداز ہی نہیں کیا گیا بلکہ نام لیے بغیر بے دلیل عقیدہ اور ماضی پرستانہ یا دایام (nostalgia) قرار دے کر مسترد کیا گیا ہے اور بے وزن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے (ص۲)۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ [تعلیمی] پالیسیاں غیر حقیقت پسندانہ اور ترقی کی دشمن تھیں' (ایضاً، ص۲)۔ ایسا فتویٰ دینے والوں کے نزدیک: صدر جنرل ایوب خان سے لے کر ذوالفقار علی بھٹو اور میاں محمد نواز شریف تک سبھی حکومتیں کورفہم یا ترقی دشمن تعلیمی پالیسیوں کی خالق تھیں۔

نصاب تعلیم: رپورٹ میں نصابات اور درسی کتب کے تحت یہ کہا گیا ہے: ''مرکزی ریاستی کنٹرول نے نصابی تشکیل اور درسی کتب کی تیاری کے عمل کو جمود کا شکار کر دیا ہے (ایضاً، ص۱۸)' ان کتابوں کا معیار سخت خراب ہے' یہ بے روح ہیں' منتشر خیالی سے لبالب ہیں اور طباعت کی غلطیوں سے بھرپور ہیں'' (ایضاً، ص۱۷)۔ پھر یہ بھی اطلاع دی ہے کہ: ''ہم نے گذشتہ برس نصاب کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا تھا (ایضاً، ص۱۶)' اور یہ دیکھا کہ: نجی شعبے کی کتب دل چسپ اور مجموعی طور پر اچھی لکھی ہوئی ہیں' جن میں سے بیش تر سنگاپور کی چھپی ہوئی ہیں''۔ (ایضاً، ص۱۷)

اوپر بیان کردہ کہانی ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ وفاقی وزیر تعلیم جنرل جاوید قاضی نے صوبوں کی رائے کو نظرانداز کرتے ہوئے صوبائی درسی بورڈوں اور مرکزی ادارہ نصابیات کو 'خاموش رہو اور انتظار کرو' کی تصویر بنا کر، براہ راست درسی کتابوں کی تیاری کے لیے جرمن این جی او GTZ' اور اسی طرح کے دوسرے منظور نظر عناصر کا بالواسطہ تعاون لیا' جن کی شائع کردہ کتب واقعتا توجہ طلب ہیں، مگر اس کی ذمہ داری درسی بورڈوں پر نہیں آتی۔ اس 'انقلابی حرکت' کا ایک ابتدائی فائدہ یہ ضرور ہوا کہ سرکاری درسی کتب کو اور زیادہ برا کہنے کا جواز مل گیا۔

جنرل مشرف یہی چاہتے ہیں کہ درسی کتابوں کی تیاری کا کام کھلی مارکیٹ پر چھوڑ دیا جائے جس کو وہ ڈی ریگولیشن کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کتاب چاہے پڑھائی جائے' جو ادارہ چاہے درسی کتاب شائع کرے اور جس قیمت پر چاہے فروخت کرے مگر ریاست کا درسی کتاب سے نہ کوئی تعلق ہو اور نہ اشاعت وفراہمی کی کوئی ذمہ داری۔ یہی خواہش ایس ڈی پی آئی جیسی این جی اوز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہے، جنھیں: راجا داہر سے محبت اور محمد بن قاسم سے نفرت ہے اور جن کے نزدیک دوقومی نظریہ نفرت کی علامت ہے اور عزیز بھٹی شہید کے تذکرے سے سارک ممالک کا امن ڈانواں ڈول ہو جاتا ہے۔

○ اس دستاویز میں کہا گیا ہے کہ: ''۲۰۱۵ء تک ملکی نظامِ تعلیم کو بین الاقوامی معیار تک لاکر تمام سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں میں یکساں نصابِ تعلیم رائج کر دیا جائے'' (ص ۲۵)۔ قرطاس ابیض سے اس تجویز کی تفصیل پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ یکساں درسی کتب نہیں ہوں گی بلکہ صرف ایک نصابی خاکہ ہوگا، جو ہر مضمون کے لیے دو یا تین صفحوں میں آجائے گا اور اس کے بعد سب آزاد ہوں گے کہ اس خاکے کے پیش نظر جو چاہیں پڑھائیں۔ پرچہ بنانے والے کے سامنے بھی کوئی ایک معیاری کتاب نہ ہوگی۔ اس کسوٹی پر دور دراز یا مضافاتی بلکہ شہری علاقوں کے عام ادارے بھی پورا اترنے سے قاصر ہوں گے، البتہ اعلیٰ طبقاتی ادارے ممکن ہے کہ طلبہ اساتذہ کے متوازن ڈھانچے اور بہترین تعلیمی سہولیات کے باعث اس معیار پر پورا اتریں۔ عام تعلیمی ادارے مجوزہ غیر مساویانہ نصابی یکسانیت کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ تعلیمی ابتری پروان چڑھانے کے اس منصوبے کا ایک تضاد خود اس سفارش میں بھی موجود ہے کہ: ''ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں کے اسکولوں میں نصاب مختلف ہونا چاہیے'' (ص ۴۴)۔ اس کا مطلب اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق پیدا کر کے حاکم اور محکوم طبقوں کی خلیج کو گہرا کرنا ہے۔

عقل و دانش اور انصاف کا تقاضا ہے کہ پہلے سے قائم قومی نصابی ادارے ہی مسلسل، مربوط اور مؤثر انداز سے اپنا فرض ادا کریں اور وہی پاکستان کے تہذیبی تقاضوں اور قومی ترقی کے مطلوبہ اہداف کا ادراک کرتے ہوئے یہ فریضہ انجام دیں۔ پھر انھی اداروں کا تشکیل کردہ نصاب اور درسی لوازمہ پورے پاکستان کے تمام تعلیمی اداروں میں پڑھایا جائے (اس چیز کو 'یکساں نصاب تعلیم' کہتے ہیں)، تاکہ نصاب، درس و تدریس اور علمی لیاقت کی پیمایش کا کم از کم پیمانہ ایک ہو۔

○ ایجوکیشن ایکٹ ۱۹۷۶ء کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ پورے پاکستان میں قومی نصاب تعلیم رائج ہو۔ مگر اس قانون کی مسلسل خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ سبب یہ ہے کہ 'اے' لیول اور 'او' لیول کے بیرونی نصابات مقتدر طبقوں کے اسکولوں میں رائج ہیں۔ لہٰذا یہ تمام ادارے رائج الوقت قانون سے بالاتر ہیں۔ زیر بحث پالیسی میں نظام تعلیم کو بین الاقوامی معیار سے ہم کنار کرنے کا خوش کن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواب دکھا کر غیر ملکی امتحانی نظاموں سے وابستہ ان تعلیمی اداروں کو مزید وسعت دی جا رہی ہے۔

○ اساتذہ کے مسائل: ساتذہ کے حوالے سے سفارش ہے کہ: ''بی ایڈ، بی ایس سی، بی اے کے اساتذہ کو بنیادی سکیل ۱۶ دیا جائے'' (ص ۲۱)' غالباً اس دستاویز کے مصنفین کو خبر نہیں کہ اس تعلیمی قابلیت کے اساتذہ کو سرکاری شعبے میں پچھلے ڈھائی تین عشروں سے یہی سکیل مل رہا ہے۔ لیکن اس تعلیمی قابلیت یا اس سے زیادہ قابلیت کے اساتذہ کے ساتھ نجی شعبہ بیش تر صورتوں میں جو استحصال روا رکھ رہا ہے، ضرورت یہ تھی کہ ان کے تحفظ کے لیے کوئی منصوبہ پیش کیا جاتا' مگر ان کے لیے اس دستاویز میں کچھ بھی نہیں ہے۔

تعلیم و تدریس ایک ہمہ وقت ذمہ داری ہے' لیکن اساتذہ کو عارضی مدت کے معاہدے (contract) پر ملازمت دینے کا اصول نافذ کر کے رہی سہی کسر نکال دی گئی ہے۔ اس غیر دانش مندانہ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ استاد نے توہین آمیز شرائط پر ملازمت تو لے لی' مگر ساتھ ہی کسی بہتر، متبادل یا مستقل ملازمت کے لیے دیکھنا شروع کر دیا۔ ممکن ہے کہ اس سے چند کروڑ روپے بچ گئے ہوں' مگر ان غیر مطمئن اساتذہ سے پڑھنے والے طلبہ کے مستقبل کی قیمت کا کسی نام نہاد جدیدیت پسند کو کوئی اندازہ نہیں ہے۔

○ ابتدائی بچپن کی تعلیم: یعنی Early Childhood Education کو پالیسی دستاویز کے صفحہ ۱۶، ۱۷ اور پھر ۳۴، ۳۵ پر زیر بحث لایا گیا ہے۔ تین سے پانچ سال کے بچوں کے لیے یہ تعلیم کی کون سی قسم ہے یا اس کی شان نزول کیا ہے، اسے جاننے کے لیے امریکی اور یورپی پالیسی سازوں کی وہ رپورٹیں ذہن میں رکھی جائیں' جن میں وہ بہ تکرار یہ کہتے ہیں کہ: ''مسلم دنیا میں فکری اور تہذیبی تبدیلی کے لیے میڈیا، عورت اور تعلیم کے محاذ پر تو ہنگامی بنیادوں پر کام کرنا ہی ہے، لیکن دراصل مسلمان بچے کو تین چار سال کی عمر ہی میں ہدف بنانے کے لیے جنگی بنیادوں پر کام کرنا چاہیے، تاکہ اس بچے پر مسلم معاشرے یا مسلم معاشرے کے اساتذہ اپنا کوئی نقش نہ بٹھا سکیں''......

اس مقصد کے لیے امریکی سرکاری ادارے یو ایس ایڈ اور آغا خان ایجوکیشن سروس ایک مشترکہ منصوبے کے تحت، جب کہ بعض این جی اوز اور عیسائی مشنریوں کی متعدد تنظیمیں ایک فکری ہم آہنگی کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ ان کا اپنا نصاب، اپنا نظام تربیت اور اپنے اساتذہ ہیں۔ اس مجوزہ تعلیمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پالیسی میں بھی ابتدائے بچپن کی تعلیم کو ایک اچھوتا منصوبہ سمجھ کر پیش کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ''فوری طور پر اس کے ۴۲ ہزار ۵ سو مراکز قائم کیے جائیں' جن کے لیے سرکاری مدد لی جائے'' (ایضاً' ص ۳۴)۔ یہ بوجھ بھی پہلے پہل پرائمری اسکولوں کے سر تھوپ دیا جائے گا' جو خود پہلے سے جاں بلب ادارے ہیں۔ جب وہ یہ نیا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گے تو اس وقت این جی اوز اور غیر ملکی ایجنڈے کی حامل قوتیں سامنے آئیں گی اور مخصوص تربیت اور مخصوص نصاب کے سایے میں ان بچوں کو اپنی گود میں لے کر، جیسا ذہن چاہیں گی، بنانے کی کوشش کریں گی۔ اس وقت بھی اندرون سندھ اور اندرون بلوچستان متعدد این جی اوز اس منصوبے میں اپنا دائرہ کار بڑی فعالیت سے بڑھا رہی ہیں۔

سرکاری اسکولوں کی حالت زار کا نقشہ حکومت پاکستان کی پہلی جامع نمبر شماری کے مطابق یہ ہے: ''۵۳ ہزار ۴ سو ۸۱ اسکولوں کے گرد چار دیواری نہیں ہے' ۴۶ ہزار ۷ سو ۶۶ سرکاری اسکولوں میں پینے کے پانی کا بندوبست تک نہیں' ۵۷ ہزار ۲ سو ۱۶ اسکولوں میں بیت الخلا کا وجود نہیں ہے' ۸۱ ہزار ۶ سو ۳۳ اسکولوں میں بجلی کا کنکشن نہیں ہے' جب کہ ۹ ہزار ۷ سو ۷ اسکولوں کی کوئی عمارت تک نہیں (نیشنل ایجوکیشن سینسس پاکستان' اسلام آباد دسمبر ۲۰۰۶ء' ص ۲۷)۔ ایک طرف عالم یہ ہے اور دوسری جانب نئے نئے منصوبوں پر قوم کا قیمتی زرمبادلہ پھونکا جا رہا ہے۔ پہلے 'نئی روشنی' اور پھر 'پڑھا لکھا پنجاب' جیسے منصوبوں میں کتنا سرمایہ واقعی تعلیمی اداروں کی بہتری پر خرچ ہوا' اور کتنا محض تنخواہوں اور انگریزی اخبارات اور ٹیلی ویژن پر بے مغز تشہیری مہم کی آگ میں جھونکا گیا؟ اس کا کوئی جواب نہیں دیتا۔ اس پس منظر میں 'ابتدائے بچپن کی تعلیم' کے ۴۲ ہزار ۵ سو مراکز کے منصوبے پر بے پناہ اخراجات ہوں گے۔ اس کے لیے: ''الگ بجٹ کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے'' (ص ۳۵)۔

○ **مخلوط تعلیم**: 'ابتدائی تعلیم' تک رسائی کے عنوان کے تحت ایک سفارش یہ کی گئی ہے کہ: ''پرائمری کی تعلیم خصوصاً دیہی علاقوں میں مخلوط پرائمری اسکولوں میں دی جائے' جنھیں آہستہ آہستہ مڈل اسکولوں میں اپ گریڈ کر دیا جائے'' (ص ۳۶)۔ یہ دراصل مڈل تک مخلوط تعلیم رواج دینے کی تدبیر ہے (دوسری طرف نجی شعبے میں عملاً انٹر اور ڈگری کلاسوں میں مخلوط تعلیم تیزی سے رواج پکڑ رہی ہے، اور بعض جگہ تو میٹرک کی سطح پر بھی ایسا ہے)۔ پاکستان کے دینی اور ثقافتی ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے، نیز تعلیمی نفسیات کے تقاضوں کے پیش نظر یہ سفارش نہ صرف ناقابل قبول،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ تباہ کن اثرات کی حامل ہے۔ اس اقدام کے اخلاقی نتائج تو ایک طرف رہے' یہ عمل خود دیہی علاقوں میں بہت سے بچے بچیوں کے لیے تعلیم کے دروازے بند کرنے کا سبب بن جائے گا۔ مگر حکومت سافٹ امیج کی خاطر' امریکا کے حکم پر' لیکن 'کسی دباؤ کے بغیر' معاشرے کو لبرل بنانے کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار ہے۔

○ **ذریعہ تعلیم:** قرطاس ابیض کے ص ۳۰-۳۲ پر 'ذریعہ تعلیم' کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ پاکستان میں نوکر شاہی نے اس معاملے کو کبھی حل نہ ہونے والے مسئلے کے طور پر زندہ رکھا ہے۔ رپورٹ میں پاکستان کی لسانی، گروہی اور علاقائی شناختوں کو اس مبالغہ آمیز انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ نسلی یا لسانی قوم پرستوں کے لیے یہ رپورٹ تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔ کہا گیا ہے: ''پاکستان کثیر ثقافتی اور کثیر لسانی قوموں کی فیڈریشن ہے''۔ (ص ۶' ۱۴)

پاکستان کی سول اور ملٹری نوکر شاہی کی انگریزی سے مرعوبیت ختم ہونے میں نہیں آئی۔ اس مراعات یافتہ طبقے نے اردو کو ہمیشہ صوبائی زبانوں سے لڑا کر انگریزی کا راستہ صاف کیا ہے۔ اسی لیے پالیسی دستاویز میں مذاق اڑاتے ہوئے کہا گیا ہے: ''زبان اور ذریعہ تعلیم کے مسئلے کو پاکستان میں سیاسی اور مذہبی حوالے سے لیا گیا ہے۔ یہاں کچھ علاقوں میں یقیناً اردو ایک سامراجی زبان (imperialist language) سمجھی جاتی ہے' جب کہ انگریزی ترقی اور عمل کا ذریعہ ہے'' (ص ۳۱)۔ اس کے ساتھ ہی یہ سفارش کی گئی ہے: ''پانچویں تک ذریعہ تعلیم کا مسئلہ صوبائی حکومتوں پر چھوڑ دیا جائے، پہلے تین سال کی تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہیے...... پنجابی اور بلوچی زبان کو کبھی ذریعہ تعلیم بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لیے اس سمت میں کام کیا جانا چاہیے کہ ان زبانوں میں درسی کتب تیار ہوں...... اور ۲۰۰۸ء تک جماعت سوم میں انگریزی زبان کی تعلیم لازمی کر دی جائے'' (ص ۳۱-۳۲)۔ یہ بات بھی 'انکشاف' کا درجہ رکھتی ہے کہ ''پاکستان میں اردو کے خلاف فضا پائی جاتی ہے'' اور یہ بھی ایک 'دریافت' ہے کہ پاکستان میں ذریعہ تعلیم کا مسئلہ 'مذہبی ہوا' بنا ہوا ہے۔

صوبائی زبانوں کی اشاعت و ترویج ضروری ہے، لیکن محض رواروی میں یہ کہنا کہ مادری یا صوبائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے، کوئی سنجیدہ بات نہیں معلوم ہوتی۔ امرواقعہ ہے کہ صوبہ پنجاب میں کوئی بھی پنجابی کو باقاعدہ ذریعہ تعلیم بنانے میں دل چسپی نہیں رکھتا۔ صوبہ سرحد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر پشتون علاقوں میں چترالی، بلتی، پوٹھوہاری، سرائیکی وغیرہ کے وسیع لسانی پس منظر کے تحت صوبہ سرحد کی حکومت پشتو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ پھر صوبہ بلوچستان کو دیکھیں جہاں بلوچی کے علاوہ سندھی، پشتو، سرائیکی، بروہی بولنے والی بڑی آبادیاں موجود ہیں۔ ان سب کے لیے بلوچی زبان کو بطور ذریعہ تعلیم قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے ۱۹۷۲ میں نیشنل عوامی پارٹی کی بلوچ پشتون قوم پرست حکومت نے بھی صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں اردو ہی کو بطور سرکاری زبان اور بطور ذریعہ تعلیم اختیار کرنے کا اعلان کیا تھا۔

یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ محض پرائمری کلاسوں میں انگریزی لازمی کر دینے سے انگریزی نہیں آ جائے گی۔ حکومت آج تک میٹرک، ایف اے، بی اے کی سطح پر طالب علموں کو کم از کم معیار کی انگریزی پڑھانے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکی۔ وہ اس کے لیے مناسب تعداد میں اساتذہ' موزوں ماحول، لازمی تربیت اور بنیادی سہولیات فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ایسی صورت میں وہ اسکول جہاں ریاضی اور دوسرے لازمی مضامین پڑھانے کے استاد تک میسر نہیں ہیں' وہاں اس قدر بڑے پیمانے پر کس قیمت پر اور کس طرح انگریزی کی تدریس ممکن ہو گی؟ خدشہ ہے کہ دستاویز میں پیش کردہ 'تعلیمی منصوبہ بندی' پرائمری ہی سے تعلیمی عمل برباد کرنے کے سوا کچھ اور نہ کر پائے گی۔

آل انڈیا مسلم لیگ نے ۱۹۰۸ء سے ۱۹۳۸ء کے دوران سالانہ اجلاسوں میں ۹ قرار دادیں اردو کی بھرپور حمایت کے لیے منظور کیں۔ قائداعظم نے ۱۹۴۱ء، ۱۹۴۲ء، ۱۹۴۶ء میں اردو کو مسلمانانِ ہند کی قومی زبان، جب کہ ۱۹۴۸ء میں چار بار اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک پاکستان کی ایک اہم بنیاد اردو تھی' مگر اسی بنیاد کو متنازع بنانے میں نوکر شاہی آج تک کامیاب رہی ہے۔ ۱۹۷۳ء میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں متعین کیا گیا کہ ۱۵ سال کے اندر اردو کو انگریزی کی جگہ ملک کی سرکاری زبان کے طور پر نافذ کر دیا جائے گا اور یہ مدت ۱۴ اگست ۱۹۸۸ء تک تھی۔ دستور پاکستان میں یہ وعدہ آج بھی قائم ہے لیکن اب کہاں پر اردو کے خلاف آگ بھڑکائی جائے، اسے مقتدر طبقہ ہی خوب جانتا ہو گا، جو برعظیم میں مسلمانوں کے اتحاد کی علامت اردو کو گرانے کے لیے صوبائی زبانوں کا نعرہ لگاتا اور انگریزی کا راستہ ہموار کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

○ **فنی تعلیم:** ''ہائر سیکنڈری اسکولوں میں پولی ٹکنیک اداروں کی طرح ٹیکنیکل ڈپلوما جاری کرنے کی سفارش کی جارہی ہے'' (ص ۴۸، ۴۹)۔ یہ سفارش ایسے ماحول میں دی جارہی ہے' جب کہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹس کا ایک حد تک جال بچھ چکا ہے۔ دوسری طرف خود ہائر سیکنڈری اسکولوں میں معیاری سائنس کی تجربہ گاہیں نہیں بنائی جاسکیں۔ ان حالات میں ہائر سیکنڈری اسکولوں کو ٹیکنیکل ورکشاپ کون دے گا؟ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ جنرل ایجوکیشن اور ٹیکنیکل ایجوکیشن ایک ادارے کی چھت تلے کامیاب نہیں ہوتی' کیوں کہ فنی تعلیم کی اپنی ضروریات اور اپنا کلچر ہوتا ہے۔

○ **مراعات یافتہ طبقہ:** پالیسی دستاویز میں یہ درست کہا گیا ہے کہ نجی شعبے کے اکثر تعلیمی ادارے پڑھانے سے زیادہ مال بنانے میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود انھی اداروں کی تحسین بھی کی جارہی ہے۔ دستاویز کا ایک کمزور پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں مسلح افواج کی بلاواسطہ یا بالواسطہ سرپرستی میں چلنے والے مختلف تعلیمی سلسلوں (کنٹونمنٹ بورڈ اسکولوں' گیریژن اسکولوں' فوجی فاؤنڈیشن اسکولوں، کیڈٹ کالجوں، ایئرفورس ماڈل اسکولوں اور مستقبل میں عسکری بورڈ وغیرہ) کے بارے میں کامل خاموشی برتی گئی ہے۔ حالانکہ ان اداروں کا وجود خود مختار جزیروں جیسا ہے جہاں مدتوں سے انگریزی ذریعہ تعلیم اور ایک مخصوص کلچر کی سرپرستی کرتے ہوئے اعلیٰ طبقاتی مزاج پروان چڑھایا جاتا ہے۔ اس نظام کو قومی دھارے میں لانا حب الوطنی اور سماجی شعور کا مظہر ہوگا۔

قیام پاکستان سے لے کر جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت کے خاتمے تک (۱۹۴۷-۸۸ء)' پاکستان میں اعلیٰ تعلیم پر امیر اور مراعات یافتہ طبقوں کی وہ یک طرفہ اور ظالمانہ اجارہ داری نہیں پائی جاتی تھی' جس کا دور دورہ آج دیکھا جارہا ہے۔ زیادتی پر مبنی اس نظام کی نہ صرف ریاست کی پوری مشینری سرپرستی کررہی ہے' بلکہ اس تعلیمی قرطاس ابیض میں بھی اس تضاد کو مزید گہرا کر کے تقویت دی گئی۔

○ **اعلیٰ تعلیم:** اعلیٰ تعلیم' یعنی ڈگری اور پوسٹ گریجویشن کے ''طلبہ و طالبات کو مصارفِ تعلیم میں زیادہ معاونت نہ دینے کی سفارش کی گئی ہے'' (ص ۴۱)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کی فیسیں بڑھائی جائیں یعنی مہنگی تعلیم کو اعلیٰ تعلیم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راستے کی رکاوٹ بنا دیا جائے۔ یہ قدم ایک طرف تو دستور پاکستان کے آرٹیکل ۳۷ کی خلاف ورزی ہے اور دوسری طرف غریب لیکن قابل طالب علموں کو اعلیٰ تعلیم سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح ان پالیسی سازوں نے مہنگی اعلیٰ تعلیم کی ناقابل عبور دیوار کھڑی کر کے قوم کے ذہین طبقے کو معاشی وسماجی دوڑ سے باہر نکال دیا ہے۔ (ایک طرف یہ کہا جاتا رہا ہے کہ ہم تعلیمی ادارے اس لیے واپس کر رہے ہیں تاکہ حکومت پر سے مالی دباؤ کم ہو لیکن دوسری جانب مہنگی تعلیم کے ایک عیسائی مشنری ادارے کے حوالے سے یہ چشم کشا خبر پڑھیے کہ: ''حکومتِ پنجاب نے فارمن کرسچین کالج لاہور کو مختلف منصوبوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ۳۶ کروڑ روپے کی امداد جاری کر دی ہے''۔[روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۲۲ فروری ۲۰۰۷ء] اور پنجاب یونی ورسٹی گوجرانوالہ کیمپس کے لیے جنرل مشرف نے [صرف] ۵۰ لاکھ روپے دینے کا اعلان کیا ہے۔ نوائے وقت' ۱۶ مارچ ۲۰۰۷ء)

آج سرکاری یونی ورسٹیوں میں بڑھتی ہوئی فیسیں، مخصوص پس منظر کے داخلہ ٹیسٹ، سیلف فنانس اور سیلف سپورٹ کے نام پر ایک ہی چھت کے نیچے دو تین رنگوں کا تعلیمی و تدریسی ماحول، کسی درس گاہ سے زیادہ تعلیمی ڈپارٹمنٹل اسٹور کا منظر پیش کرتا ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو نجی شعبے کے ڈگری دینے والے بیش تر ادارے کسی اخلاق اور معیار سے بالاتر رہ کر بدنام زمانہ فنانس کارپوریشنوں جیسی لوٹ کھسوٹ کا منظر پیش کرتے اور بچوں کے مستقبل سے کھیلتے نظر آتے ہیں۔ افسوس کہ یہ دستاویز ظلم وزیادتی کے اس کھیل پر بالکل خاموش ہے۔

○ **نجی سرکاری شراکت:** آگے چل کر قوم کے تعلیمی مسائل کا حل 'نجی سرکاری شراکت داری' کے فارمولے (ص ۱۴' ۲۵) میں پیش کیا گیا ہے۔ اب تک اس ضمن میں جو تباہی مچائی جاچکی ہے، اس کا حساب دینا حکمرانوں پر قوم کا قرض ہے، مگر کوئی معقول جواب دینے کے بجائے تعلیم کو نجی ساہوکاروں کے ہاتھوں بیچنے کا سفاکانہ عزم ظاہر کیا جارہا ہے۔ ڈی نیشنلائزیشن، انتظامی خودمختاری، پرائیوٹائزیشن اور بورڈ آف گورنر کے منصوبے درحقیقت درس گاہوں سے جان چھڑانے اور بیچنے کے بے رحمانہ منصوبے تھے، جن پر ایک حد تک ہی حکومت عمل کر سکی ہے۔ اب تعلیمی اداروں کی فروخت کے ہمہ گیر منصوبے کو 'نجی سرکاری شراکت داری' کے نئے لیبل میں بیچنے کا راستہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکالا جا رہا ہے۔ جس سے یہ تعلیمی پالیسی دھیمے انداز میں سرکاری تعلیمی بساط لپیٹنے کا فرمان ثابت ہوگی۔ اس اقدام سے ایک ایسا در کھولنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے کہ سامراجی عزائم کے حامل ممالک کی پروردہ تنظیمیں یا کارپوریشنیں ملفوف ناموں سے رفتہ رفتہ قومی تعلیمی اداروں پر قبضہ جماتی چلی جائیں گی۔ زیرِ بحث پالیسی میں جس 'نجی سرکاری شراکت' کا ڈھول پیٹا جا رہا ہے اس پر عمل درآمد کے لیے صوبہ پنجاب کے ۸۵ کالجوں کو 'ماڈل کالجوں' کا نام دے کر پہلے مرحلے میں قربانی کا بکرا بنانے کے لیے فائلیں حرکت کر رہی ہیں۔

یہ بات اہل وطن کے علم میں رہنی چاہیے، کہ وفاقی وزیر تعلیم جنرل جاوید قاضی نے ۲۹ نومبر ۲۰۰۶ء کو امریکا میں جس مشترکہ اعلامیے پر دستخط کیے تھے اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ: ''امریکا نے پاکستان میں تعلیمی اصلاحات کے لیے ۲۰۰۲ء سے اب تک ۲۰ کروڑ ڈالر دیے ہیں، لیکن اب ان میں مزید ۱۰ کروڑ ڈالر کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور رقم کو خرچ کرنے کے لیے من جملہ دوسری چیزوں کے 'سرکاری اور نجی شراکت داری' کے لیے بھی روابط جاری رکھے جائیں گے'' (دوماہی خبر و نظر، سفارت خانہ امریکا، اسلام آباد دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۷)۔ امریکی حکومت، حکومت پاکستان سے معاہدہ کرتے ہوئے نجی شراکت کے لیے فنڈ خرچ کرنے کا اختیار حاصل کر رہی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لفظ 'نجی' کہاں سے آ گیا' جب کہ یہ معاہدہ دو حکومتوں کے درمیان طے پا رہا ہے' نہ کہ نجی شعبوں کے درمیان۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ امریکی حکومت اپنے جس اعلامیے کو اسٹرے ٹیجک معاہدہ قرار دے رہی ہے، اس کے تحت وہ ان رقوم کو مختلف منظور نظر مقامی یا عالمی این جی اوز یا مشنریوں کے ذریعے استعمال کر سکتی ہے۔ یوں امریکیوں کی اس پراکسی (proxy) خرید و فروخت کو ریاستی پروٹوکول کے تحت، پاکستان میں تعلیمی اداروں اور ان کی زمینوں کو طویل مدتی پٹے پر خریدنے اور من مانے نصاب پڑھانے یا انتظام و انصرام چلانے کا لائسنس مل جائے گا۔ اب سے ایک سو برس قبل سرزمین فلسطین پر یہودیوں نے اسی طرح رفتہ رفتہ املاک خرید کر اسرائیل کی ناجائز ریاست بنائی تھی' جب کہ عیسائی مشنری تعلیمی ادارے آج بھی پاکستان میں، ریاست در ریاست کا عکس پیش کرنے کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ ان مشنری تعلیمی اداروں سے پڑھ کر نکلنے والے طاقت ور لوگ اگرچہ عیسائی نہیں بنے، مگر ان میں سے ایک قابل ذکر تعداد کے لیے، اسلام سے وابستگی شرمندگی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باعث ضرور بنتی ہے، جس کے لیے وہ 'روشن خیالی' کے خودساختہ مذہب میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔

○ پالیسی میں این جی اوز کو خواندگی اور غیر رسمی تعلیم کی ترویج کے لیے بھاری گرانٹس دینے کی سفارش کی گئی ہے۔ تعلیم کے خوش نما نام پر تہذیبی اور کاروباری این جی اوز کے چلن کو دیکھتے ہوئے' یہ اقدام بھی ملک عزیز میں کرپشن، معاشرتی انتشار اور وسائل کے ضیاع پر منتج ہوگا۔

○ **اسلامک ایجوکیشن:** اس عنوان کے تحت پہلی سفارش میں کہا گیا ہے کہ: ''سرکاری اسکولوں کا معیار اور ان تک لوگوں کی رسائی اس سطح تک ممکن بنائی جائے کہ وہ اپنے بچے انگلش میڈیم، پرائیویٹ اسکولوں اور دینی مدارس میں نہ بھیجیں'' (ص ۵۲)۔ اس سفارش کا اسلامک ایجوکیشن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بنتا۔ دوسری سفارش میں کہا گیا ہے کہ: ''اسلامی علوم میں اعلیٰ تعلیم کے خواہش مند افراد کی اس وقت تک حوصلہ شکنی کی جائے جب تک ایسی تعلیم دینے والے ادارے معاشرے کو تباہ کن اور تقسیم کرنے والی سرگرمیاں چھوڑ کر محض تعلیم دینے والے ادارے نہ بن جائیں'' (ص ۵۲)۔ دستاویز کے ڈھانچے میں یہ جملہ بھی کسی مثبت پیغام کے بجاے انتہاپسندانہ فکری جارحیت کا مظہر ہے۔

یہاں پر ایک اور توجہ کے قابل یہ خبر ہے کہ، وفاقی وزیر تعلیم جنرل جاوید قاضی نے اخبار نویسوں کو بتایا: ''صوبہ سرحد کی حکومت نے نویں جماعت کی اردو کی کتاب میں اسلامی تاریخ کے مزید مضامین' جب کہ اسلامیات کی کتاب میں مزید آیات اور احادیث کو اردو ترجمے کے ساتھ شامل کرنے کے مطالبات کیے تھے۔ ہم نے مزید دینی مواد شامل کرنے کے یہ مطالبے تسلیم کر لیے ہیں' لیکن نصاب میں یہ تبدیلیاں صرف صوبہ سرحد میں نافذالعمل ہوں گی'' (نواے وقت، لاہور ۷ فروری ۲۰۰۷ء)۔ اس خبر کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ ایسا صرف سرحد میں ہوسکتا ہے، غالباً باقی پاکستان کے تین صوبوں کو اسلامی تاریخ یا دینی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ متضاد فیصلے کون سی 'روشن خیالی' ہے؟

○ **اسلام کے بجاے جمہوریت:** ماحول کے ساتھ تعلق کے ذیلی عنوان میں سفارش کی گئی ہے: 'جمہوریت بطور نظریۂ حیات' کو تعلیم کا شعوری حصہ ہونا چاہیے، جو کہ اسکولوں کے ذریعے بچوں کو دی جائے'' (ص ۵۵)۔ یہ سستی نعرے بازی اس ملک میں کی جارہی ہے' جہاں سول اور فوجی اعلیٰ ملازمین ریاست، خود قوم ہی کے عطا کردہ وسائل و اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کا دستور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پامال کرتے ہیں اور جمہوریت کو برباد کر کے عدل اور انتظام کے سرچشموں پر قابض ہو جاتے ہیں، اور پھر حد درجہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اس فعل کو 'جمہوریت کی خدمت' قرار دیتے ہیں۔ دوسری توجہ طلب بات یہ بھی ہے کہ اقبال اور قائداعظم کے فرامین کے مطابق گذشتہ تمام حکومتوں کے دورِ اقتدار اور تعلیمی پالیسیوں میں: پاکستان میں اسلام ایک نظریہ حیات کی تعلیم پر زور دیا جاتا رہا ہے، اب اقتدار کے سرچشموں پر قابض قوتوں کو اس جملے سے چڑ ہوگئی ہے، شاید اسی لیے ہمارے ہاں اب 'اسلام بطور طرزِ زندگی' کے بجاے 'جمہوریت بطور طرزِ زندگی' کی تعلیم و تربیت دینے کی زبانی کلامی خدمت انجام دی جارہی ہے۔

○ **اصولی اور سماجی مسائل:** اس عنوان کے تحت کہا گیا ہے: ''پاکستان گذشتہ عشروں سے انتہا پسندی، عدم برداشت اور فرقہ واریت کی آگ میں سلگ رہا ہے۔ اب ضروری ہے کہ اسکولوں میں تعلیم کو فرقہ واریت کی تفریق سے بالاتر رہنے کے لیے استعمال کیا جائے'' (ص ۵۳)۔ ایک یا دو مقامات پر چند لوگوں کے معمولی جھگڑوں کے علاوہ پاکستان بھر میں کہیں فرقہ وارانہ فساد یا مسلکی نفرت کا ہرگز عوامی یا عمومی سطح پر وجود نہیں پایا جاتا اور نہ ہر مسجد سے فرقہ وارانہ فسادات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن مخصوص مفادات کے حامل طبقے دینی قوتوں یا دینی تعلیمات کو بدنام کرنے کے لیے یہ بات بے رحمانہ مبالغہ آمیزی سے اچھالتے ہیں اور اسی کے پردے میں دینی درس گاہوں اور جدید تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیم کی کانٹ چھانٹ کا جواز پیدا کرتے ہیں۔ یہ کھیل اس دستاویز کے اوراق پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

○ **خاندانی منصوبہ بندی بطور مضمون:** 'آبادی میں اضافے سے تعلق' کے زیرعنوان اس تعلیمی پالیسی دستاویز میں لکھا گیا ہے: ''۶۰ کے عشرے کے بعد حکومتوں نے 'آبادی کی بہبود اور انتظام' کے لیے بہت سے اقدامات کیے، لیکن عقیدہ پرستی اور تقدیر پرستی نے آگہی کے ان مہنگے پروگراموں کو ناکام بنا کر رکھ دیا۔ جس کے نتیجے میں نظامِ تعلیم بحیثیت مجموعی اس میدان میں کوئی خدمت انجام دینے میں ناکام رہا ہے، اس لیے 'بہبود آبادی' [خاندانی منصوبہ بندی] کو شعوری طور پر تعلیم سے منسلک کرنا ہوگا'' (ص ۵۳)۔ آگے چل کر سفارش کی گئی ہے: 'آبادی کی بہبود اور انتظام' کے لیے مثبت اور دل چسپ انداز سے اسکولوں کی درسی کتب میں پڑھایا جائے'' (ص ۵۵)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مڈل سے ہائی اسکولوں کی کلاسوں میں خاندانی منصوبہ بندی کی یہ تعلیم کون سی روشن خیالی کا چراغ جلانے کا ذریعہ بنے گی؟ اسے جاننے کے لیے ملک میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی اور 'محفوظ جنسی' درسیات کا مطالعہ ہی ہوش ربا تھا، اوپر سے 'تحفظ حقوق نسواں ایکٹ' سونے پر سہاگہ سمجھا جا رہا ہے' اور موسیقی کی آگ جنگی بنیادوں پر بھڑکائی جا رہی ہے۔

○ قرطاس ابیض میں لکھا ہے: ''ماضی کی تعلیمی پالیسیاں حکومت وقت کی سیاسی اور نظریاتی سوچ کی آئینہ داری ہوتی تھیں' لہٰذا وہ قومی سطح پر نہ تو کوئی پذیرائی حاصل کرسکیں اور نہ مطلوبہ نتائج ہی پیدا کرسکیں''۔ مگر زیر بحث پالیسی میں جوسمت اور فریم ورک دیا گیا ہے، کیا یہ کھلم کھلا وہی ایجنڈا نہیں ہے جو امریکی احکامات کی فرماں برداری میں بزور نافذ کیا جا رہا ہے۔ قومی تعلیمی پالیسی کے ابتدائی مسودے میں پاکستان کے تعلیمی شعبے کے انتظام کے لیے قانونی ڈھانچا کے تحت دستور اور متعلقہ قوانین کا ذکر کیا گیا ہے (ص ۷۳-۷۵)' لیکن پالیسی میں آئینی امور اور متعلقہ حصوں کا تذکرہ کرتے ہوئے 'قرارداد مقاصد' کے اس حصے کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے' جو پاکستان میں تعلیم کے تصور کو دستوری تقاضوں کی زبان عطا کرتا ہے۔

وزارتِ تعلیم نے مارچ ۲۰۰۷ء کے وسط میں قرطاس ابیض کا نظرثانی شدہ مسودہ شائع کیا ہے۔ اسے دسمبر ۲۰۰۶ء کے وائٹ پیپر سے ملا کر دیکھیں تو کوئی خاص تبدیلی نہیں کی گئی بلکہ قابلِ اعتراض حوالوں کو مزید زور سے بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ تعلیمی پالیسی تو آئے گی' مگر ان میں سے اکثر چیزوں پر حکومت پہلے سے عمل کر رہی ہے۔

اس مختصر جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قومی تعلیمی پالیسی، مغربی مراکز دانش (think tanks) کی طرف سے وقتاً فوقتاً دیے جانے والے احکامات کو عملی جامہ پہنانے کی ایک عاجلانہ اور غیر دانش مندانہ کوشش ہے۔ یہ قرطاس ابیض قومی نظام تعلیم اور بالخصوص قومی تعلیمی اداروں میں تازگی، فعالیت اور معنویت لانے کے باب میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتا' بگاڑ ضرور پیدا کرے گا۔

© rasailojaraid.com